تار کا پتہ
"انجمن" علی گڑھ

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۲۲
ٹیلی فون نمبر ۹۱

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲	۱۵ دسمبر ۱۹۵۵ء	ایڈیٹر:- قاضی عبدالغفار	۲۹ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ	نمبر ۲۴

یہ تنزیہ کیجئے

ایک مضبوط تنظیم کے بغیر عوامی تحریکیں کاغذ کی ناؤ بن جاتی ہیں جو چند روز پانی میں تیر کر ڈوب جایا کرتی ہیں۔ اس حقیقت سے ہر اس شخص کو واقف ہونا چاہئے جو خلوص کے ساتھ کوئی خدمت کرنا چاہے۔ مرکزیت کے بغیر کوئی تنظیم اور ڈسپلن قائم نہیں رہ سکتی اور تنظیم اور ڈسپلن کے بغیر کوئی تحریک سرسبز نہیں ہو سکتی۔ اگر اس مسلمہ اصول سے بھی کسی کو انکار ہو تو ہم اسے اپنا مخاطب نہیں بناتے۔

اردو کی تحریک کا مرکز اور اردو کی مخالفت کا قلعہ اس وقت اتر پردیش ہے۔ اس لئے قدرتاً نظریں اتر پردیش کی تحریک کے حالات کی طرف زیادہ جاتی ہیں اور یہاں کے کارکنوں کی ذرا سی لغزش بھی آنکھوں میں کھٹک جاتی ہے۔

حال ہی میں بعض اضلاع کے ایسے واقعات نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ پہلے اس سے کہ یہ رجحان بڑھے ہم اپنے دوستوں اور بھائیوں کو ٹوک دیں۔ اتر پردیش میں صوبائی شاخ قائم کر کے انجمن نے اپنی جد و جہد کو زیادہ منظم کرنے کی کوشش کی ہے اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ ریاستی مسائل کی حد تک صوبائی شاخ کی مرکزیت کمزور نہ ہونے پائے جس طرح مرکزی انجمن اس بات کو پسند نہ کرے گی کہ اصولی اور پالیسی کے مسائل میں صوبائی شاخ اس کے مشورے سے بے نیاز ہو کر یا اس کی پالیسی سے ہٹ کر کوئی کام کرے اسی طرح صوبائی کمیٹی یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اضلاع کی شاخیں اس کی مرکزیت سے بے پروا ہوں۔

چند روز ہوئے ایک ضلع کی شاخ نے اپنے ایک وفد کے ذریعہ سے ایک منسٹر کے سامنے ایک یادداشت پیش کر دی، مگر ایسا کرنے کی کوئی اجازت صوبائی کمیٹی سے حاصل نہیں کی گئی تھی۔ پھر ایک دوسری شاخ کے چند کارکن چیف منسٹر سے ملاقات کرنے پہنچ گئے اور بہت مایوس ہو کر واپس آئے۔ اس ملاقات میں ہمارے دوستوں نے ایسے مسئلے اٹھا دئے جن کو صرف صوبائی کمیٹی ہی (مرکزی انجمن سے مشورہ کر کے) اٹھا سکتی ہے۔ اس عمل سے قدرے پیچیدگی پیدا ہو گئی۔

بعض شاخوں کے عہدے داروں نے اخباروں میں بیانات شائع کرنے کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ ایسا کرنے کے وہ مجاز نہیں ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں کہ اپنے مرکز یعنی صوبائی شاخ کو کسی مسئلے پر توجہ دلائیں۔

سب سے زیادہ افسوسناک اور خطرناک یہ رجحان ہے کہ اردو زبان کے نام سے بعض شاخوں کے کارکن اپنے لئے مکار پرستی کے پہلو پیدا کر لیتے ہیں۔ وزیروں اور بڑے بڑے نیتاؤں سے اتصال پیدا کرنے کے لئے اردو کی تحریک ایک آلہ کار بنائی جانے لگی ہے، یعنی ان دوستوں کے خیال میں اردو بھی ایک تقریب بہر ملاقات ہے!!

اس صورت حال نے اب ایک یہ رخ اختیار کیا ہے کہ سرکاری لوگ اور وہ لوگ جو سو فیصدی حکومت کے آدمی ہیں، شاخوں کے اعلیٰ عہدوں پر چنے جانے لگے ہیں۔ شاخوں کو تو اس سے کوئی فائدہ پہنچے

ص ۲

یا شاپیچے لیکن کارکنوں کی ذاتی اغراض کے لئے ایک دروازہ کھل جاتا ہے اور اردو کی تحریک مراتب اور مدارج کی ترقی کے لئے ایک سیڑھی بن جاتی ہے یہ خطرات ہیں اور ہمارے راستے کی خندقیں ہیں جن سے ہمیں بچ کر چلنا چاہیئے۔ ورنہ ممکن ہے کہ کسی دن ہماری تنظیم کا شیرازہ بکھرنے لگے۔ صوبائی شاخ کو سختی کے ساتھ ان رجحانات کو دبانا چاہئے اور تنظیمی نظم و ضبط پر زور دینا چاہئے۔ ہمیں امید ہے کہ وہ ایسا کر رہی ہوگی اردو کی تحریک کے مخلص کارکن بھی اس کا لحاظ رکھیں کہ کہیں وہ یا ان کے شریکِ کاران دنیا وی ترغیبات کا شکار نہ ہوجائیں۔ ابھی انھیں اپنے سفر کا بہت دشوار گزار راستہ طے کرنا ہے۔ معلوم نہیں کہ صدر جمہوریہ کا جواب کیا ہوگا لیکن جو کچھ بھی ہو اردو کا یہ قافلہ تو اب آگے ہی بڑھے گا پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔

عجیب تضاد

ابھی انجمن ترقی اردو کا محضر صدر جمہوریہ کے سامنے زیر غور ہے اور صدر مملکت نے ان اختیارات کے تحت جو انھیں دستور کے تحت حاصل ہیں یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ اردو زبان کس علاقے کی علاقائی زبان ہے۔ لیکن حد بندی کمیشن نے یہ رائے قائم کرلی کہ اس زبان کا تصور وجود صرف حیدرآباد کے ایک تحصیل برابر رقبہ میں ہے یا بہار کے چند اضلاع میں جو لاکھوں اردو بولنے والی آبادی سے کاٹ کر بنگال کو دے جا رہے ہیں۔ اتر پردیش کے معاملے کو تو کمیشن نے صاف اڑا دیا ہے۔ اس کی رپورٹ کے الفاظ کے جنگل میں ڈھونڈتے پھرے لیکن شمالی ہندوستان میں اردو کے وجود کا پتہ نہیں چلتا!

طرفہ یہ کہ دستور کی دفعہ ۳۴۷ میں صدر جمہوریہ کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ یہ دیکھیں کہ کسی خاص علاقے میں کسی خاص زبان کے بولنے والوں کی ایک (SUBSTANTIAL) قابل لحاظ تعداد موجود ہے تو وہ اس زبان کو ایسے علاقے کی علاقائی زبان تسلیم کرسکتے ہیں (SUBSTANTIAL) کا لفظ کچھ وضاحت چاہتا ہے۔ (SUBSTANTIAL) کسی علاقے میں ۱۰ فیصدی بھی ہو سکتے ہیں اور پچاس فی صدی بھی۔ اس کا فیصلہ صدر کے فیصلے پر منحصر اور وہی اس (SUBSTANTIAL) کی توضیح کرنے کے مجاز ہیں۔ لیکن حد بندی کمیشن نے بلا تکلف یہ سفارش کردی کہ جہاں ۷۰ فیصد سے کم کسی زبان کے بولنے والے ہوں وہاں وہ زبان علاقائی نہ مانی جا سکے گی۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ دستور کے منشا کے مطابق یہ معاملہ صدر جمہوریہ کے اختیار تمیزی پر منحصر رکھا جاتا یہ کمیشن کو اپنی حدود سے آگے بڑھ کر دوسرے مسائل پر بھی سفارشیں پیش کرنے کی جلدی تھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ کمیشن کی بعض سفارشیں بہت دانشمندانہ اور منصفانہ ہیں۔ لیکن اپنی اس رائے کو بدلنے کے لئے ہمیں کوئی بنیاد نہیں ملتا کہ اردو کے معاملے میں کمیشن نے بہت غلط زاویہ نظر اختیار کیا ہے اور ہمیں تو اس کی رپورٹ کے کسی گوشے میں اردو کے متعلق کوئی روشنی نظر نہیں آتی۔ یہ سچ ہے کہ اقلیتوں کی زبانوں کی حفاظت اور ترقی کے متعلق کمیشن نے دستور کے اصولوں کی پابندی کی ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان زبانوں میں اردو کا شمار کسی بہت ہی نیچے درجے میں کیا گیا ہے! صدر جمہوریہ کے فیصلے سے پہلے کمیشن کے فیصلے نے سمپورنانند جی کو صاف لفظوں میں یہ کہنے کے قابل بنا دیا کہ اردو تو اتر پردیش کی علاقائی زبان ہو ہی نہیں سکتی۔ مردم شماری کی مصنوعی رپورٹ ایک طرف اور حد بندی کمیشن کا نقطہ نظر دوسری طرف — بیچ میں اردو کے مخالفین اپنے قلعے کو اور بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم کر سکتے ہیں!!

ہمیں ان پیچ در پیچ رکاوٹوں کا مقابلہ کرنا ہے۔

نواب ہوشیار جنگ مرحوم

مرحوم حیدرآباد میں اردو کے ایک بہت اچھے ادیب اور صاحبِ ذوق اہل قلم تھے۔ حیدرآباد کے علمی حلقوں میں ان کا وجود بہت نمایاں تھا۔ اور اکثر ان کے مکان پر شعرا اور ادیبوں کے بہت پر لطف اجتماعات ہوا کرتے تھے۔ حیدرآباد اور ہندوستان کے بہت سے ادیب اور شاعر ایسے تھے جو اکثر نواب صاحب مرحوم کی سرپرستی سے مستفید ہوا کرتے تھے اور بہت عرصے تک ان کی علم دوستی کو یاد کریں گے۔ مرحوم خود بھی ایک بہت اچھے شاعر تھے۔ لیکن مشاعروں کے شاعر نہ تھے اور کبھی کسی نے ان کا کلام کسی بڑے مشاعرے میں نہیں سنا۔ لیکن جب کبھی وہ اپنا کلام سنانے پر رضامند ہو جاتے تھے تو دوستوں کی صحبتوں کو باغ و بہار بنا دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو سکونِ ابدی عطا فرمائے۔

جوابی امور کیلئے کارڈ یا دو آنے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
(منیجر)

ہلکے ہلکے اشارے

—— انجمن کی شاخ بلند شہر نے اترپردیش کے چیف منسٹر کی خدمت میں جب وہ بلند شہر تشریف لے گئے تھے ایک سپاسنامہ اردو کے مسئلہ کے متعلق پیش کر ڈالا۔ سپاس نامہ کے مندرجات پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ انجمن کی شاخوں کے لئے صوبائی کمیٹی کی اجازت اور مشورے کے بغیر اس قسم کے سپاس نامے پیش کرنا مناسب بھی ہے یا نہیں، اہم بنیادی مسائل پر حکومت کے اعلیٰ حکام سے گفت و شنید کرنا مرکزی انجمن یا صوبائی انجمن ہی کا کام ہو سکتا ہے، ہر ضلع کی شاخ یا اس کے عہدہ داروں کو اس ذمے داری کا وزن برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہونا چاہیے

—— تاکہ یہ کہ چیف منسٹر یا منسٹروں سے ملاقات کی یہ ایک تقریب بنائی جائے یہ —— اس طرف صوبائی کمیٹی کو توجہ کرنی چاہیے۔

—— قطع نظر اس اصولی بحث کے دلچسپ اخباری اطلاع یہ ہے کہ آنریبل ڈاکٹر شری سمپورنانند وزیر اعظم اترپردیش ہندی ساہتیہ سمیلن شاخ بلند شہر کی عمارت کا افتتاح کرنے کی غرض سے ۲۸ر اکتوبر کو بلند شہر آنے والے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کارکنان انجمن ترقی اردو شاخ بلند شہر نے بھی چاہا کہ ایک سپاسنامہ پیش کرنے کا شرف حاصل کر سکیں۔ کانگریس دفتر میں پہونچ کر سپاس نامہ کو پروگرام میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن نہ کیا گیا۔ مجبور ہو کر ہندی ساہتیہ سمیلن کے کارکنان سے درخواست کی گئی کہ ہمارے سپاس نامے کو بھی شامل کر لیا جائے۔ اس لئے کہ اس موقعے پر میونسپل بورڈ وغیرہ کے سپاسنامے بھی پیش ہونے تھے۔ سمیلن کے سکریٹری شری رام پرشاد تیواری سے گفتگو ہوئی تو انھوں نے بے تکلف فرمایا کہ ہم اردو سے متعلق سپاسنامہ کو پیش کرنے کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں۔ ہمارا تو مقصد ہی اردو کو ختم کرنا ہے۔ اور ہماری یہ سب کوششیں اردو کا نام و نشان مٹانے کے لئے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ کیا شری سمپورنانند جی جو اس کا افتتاح کر رہے ہیں وہ بھی آپ کے اس خیال سے متفق ہیں۔

—— جدید ہندی کے متعلق ارشاد ہوا کہ سادہ اور سہل زبان ہر موقع پر کام نہیں دے سکتی۔ ہم کو نئے الفاظ لینے پڑیں گے اور سوائے سنسکرت کے کسی دوسری زبان سے نہیں لئے جا سکتے۔ آخر میں فرمایا کہ:

اردو ہندی دو زبانیں نہیں ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اردو زبان نام کی کوئی زبان ہی موجود نہیں ہے پھر اس کے لئے علاقہ کا سوال اٹھانا فضول ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عرض کیا گیا کہ دستور ہند میں بھی تو علاقائی زبانوں کا ذکر ہے جس میں اردو زبان بھی شامل ہے۔

فرمانے لگے ہم تو ایجی ٹیشن کرنے والے ہیں کہ اردو کو علاقائی زبانوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے۔

—— چیف منسٹر صاحب نے اگر اپنی تقریر میں دوسری علاقائی زبانوں کے ساتھ اردو کا نام نہیں لیا تو یہ بھی کوئی تعجب کی بات نہیں —— سمیلن کے سکریٹری صاحب نے تو صاف ہی کہہ دیا کہ وہ دستور کی فہرست میں سے ہی اردو کا نام نکلوا دینا چاہتے ہیں۔

—— اترپردیش میں اس کانٹے کی نوک کسی طرح گوارا نہیں!!

—— میسور، ۱۵ر اکتوبر، لیجسلیٹو کونسل میں ہندی کو فروغ دینے کے لئے ایک بہترین نسخہ پیش کیا گیا۔ مشورہ دیا گیا کہ ہندی کی ترقی کے لئے جنوبی و شمالی ہندوستانیوں کے درمیان شادی بیاہ کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ کانگریسی رکن مسٹر پلا پلی سیتا رامیہ نے بتایا کہ اس مشورے کو تسلیم کرنے کی صورت میں جنوبی ہندوستان میں ہندی مستقل بن جائے گی۔

—— اردو اور ہندی کے متعلق اگر شمالی ہندوستان میں بھی یہی نسخہ استعمال کیا جائے تو کتنے مسائل حل ہو جاتے ہیں!

ایک طرف تو اترپردیش کے گورنر منشی لکھنؤ میں طلبا کی اردو کانفرنس کا افتتاح فرماتے ہیں اور دوسری طرف اسی ریاست کے چیف منسٹر شری سمپورنانند بنارس کے ایک وفد سے صاف صاف فرماتے ہیں کہ اردو اس ریاست میں علاقائی زبان نہیں بنائی جا سکتی۔

—— یہ نہ پوچھئے کہ کیوں اور کس لئے —— مختصر یہ کہ سمپورنانند جی نے حساب لگایا تو اس ریاست میں دس بارہ فی صدی سے زیادہ اردو بولنے والے معلوم نہ ہوئے —— ورنہ اتنے بھی ابھی چند روز سے نمودار ہوئے ہیں یعنی جب سے ۲۰ لاکھ دستخط صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش کئے گئے ورنہ اس سے پہلے تو اس نام کی کوئی زبان ہی اترپردیش میں نہ تھی!!

—— معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حقیقت اور شخصیت میں بتدریج کچھ کمی ہوتی جاتی ہے۔ اور عموی مسائل میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے —— چند ہی سال پہلے برطانیہ کے وزیر اعظم ہندوستان کی طلب آزادی کے جواب میں فرمارہے تھے کہ میں اس لئے اس سلطنت کا صدر نہیں بنایا گیا ہوں

کہ اس کو تحلیل کر دوں ــــــ اور آج ہندوستان میں وہ سلطنت تحلیل ہو گئی! دراصل یہ معاملہ شروع ہوتا ہے انکار اور نفی سے، پھر اس انکار اور نفی کی شدت کم ہوتی جاتی ہے اور طلب حقوق کا جذبہ کمزور نہ ہو جائے تو جتنا وہ طاقتور ہوتا ہے، نفی اور انکار پیچھے ہٹتا ہے ــــــ وہ لوگ جو ایسی باتوں سے گھبراتے ہیں اور مایوس ہونے لگتے ہیں نہیں جانتے کہ عوامی مسائل کا مدوجزر کس طرح کام کرتا ہے!!

ــــــ کتابوں کے ناشروں کی انجمن کو خطاب کرتے ہوئے اور یہ اعلان کرتے ہوئے کہ اب حکومت خود بھی بڑے پیمانے پر نشر و اشاعت کا کام شروع کرنے والی ہے جسب معمول بہت دلچسپ باتیں فرمائیں۔

انھوں نے فرمایا کہ ہندی زبان کو زیادہ آسان اور عام فہم بنایا جائے، انھوں نے کہا ہندی کو ہندوستان کی سرکاری زبان تو بنایا گیا ہے لیکن خود دارالسلطنت میں ــــــ صحیح اعداد تو معلوم نہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ اردو کے اخباروں کی اشاعت ہندی کے اخباروں سے بہت زیادہ ہے وہ ہم ہندی کے متعلق شور تو بہت مچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اردو زبان کو علاقائی زبانوں میں شامل نہ کریں گے۔ لیکن اتر پردیش، پنجاب اور دہلی میں اردو زبان بہت وسیع پیمانے پر رائج ہے اور بجا طور پر ایسا ہے۔ پنجاب میں ہندی اور پنجابی کے درمیان جھگڑا ہو رہا ہے، لیکن ساری بحث کو فریقین اردو زبان ہی میں جاری رکھتے ہیں۔"

ــــــ اس زمانہ کے عجائبات میں سے یہ بھی ایک عجوبہ ہے کہ ایک طرف کل ہند کے وزیر اعظم فرماتے ہیں کہ اتر پردیش پنجاب اور دہلی میں اردو وسیع پیمانے پر رائج ہے اور اس کو علاقائی زبانوں میں شمار ہونا چاہئے ــــــ مگر اتر پردیش کے بڑے وزیر صاف صاف اعلان کرتے ہیں کہ اردو تو اتر پردیش کی علاقائی زبان نہیں ہو سکتی

ــــــ "یک بام و دو ہوا" اسی کو کہتے ہیں! ایک ہی نقطہ پر دو طرف سے ہوا چل رہی ہے!!

ــــــ مشاعروں کا زمانہ آگیا ہے اور مشاعرہ بازوں اور شاعروں نے اپنا کاروبار شروع کر دیا ہے اور یہ کاروبار ہر سال صرف اردو کی خدمت، ترقی اور اس کے درد سے بے تاب ہو کر کیا جاتا ہے مگر موسم کے بدلتے ہی نہ تو اردو کی ترقی اور اس کے درد کے علاج کا خیال کسی شاعر صاحب کو آتا ہے نہ مشاعرہ بازی ــــــ پلٹ کر دیکھتے ہیں کہ اردو بے چاری پر کیا گزر رہی ہے بھی تو کہا جاتا ہے کہ مشاعرہ بازوں کو اردو کا درد نہیں پیٹ کا درد ہوتا ہے۔

ریاست دہلی

معاصر ریاست دہلی نے اپنے ۱۲ر دسمبر کے اداریہ میں "مسئلہ اردو" کے عنوان سے وزیر اعظم پنڈت نہرو کی اس تقریر پر اظہار خیال کیا ہے جو انھوں نے حیدر آباد دکن میں اردو ہال کا افتتاح کرتے ہوئے فرمائی ہے ــــــ ساتھ ہی یوپی کے گورنر مسٹر منشی کے اس بیان پر بھی رائے زنی کی ہے جو انھوں نے یوپی اسٹوڈنٹس اردو کنونشن لکھنؤ کے اجلاس میں دیا ہے۔

"مرکزی گورنمنٹ کے وزیر اعظم اور یوپی کے گورنر کے ان بیانات کا صاف مطلب یہ ہے کہ اردو کو ختم نہ ہونا چاہئے اور اس زبان کو شمالی ہند میں یا دوسرے کسی صوبے میں جہاں یہ بولی جاتی ہے، زندہ رہنا چاہئے، مگر سوال یہ ہے کہ کیا ان بیانات کو طفل تسلیاں قرار نہ دیا جانا چاہئے، جب کہ عملی طور پر یہ زبان شمالی ہند کے تمام صوبہ جات میں سے ہی ختم کی جا رہی ہے۔ سرکاری کاغذات میں سے اردو کو اڑا دیا گیا۔ عدالتوں میں اردو میں لکھی گئی درخواستیں واپس کر دی جاتی ہیں۔ سائن بورڈوں میں سے اردو کو مٹا دیا گیا اور جہاں تک یوپی میں اردو کا سوال ہے، یہ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ وہاں کے ممبران اسمبلی اور وزراء میں سے نوے فیصدی بزرگ کھدر کے لباس میں کچے اور کٹر مہا سبھائی اور جن سنگھی ہیں جو اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دیتے ہوئے اس کو قطعی ختم کر دینا چاہتے ہیں اور ختم کر رہے ہیں۔

اگر پنڈت نہرو کا بیان اپنے اندر ذمہ داری کا کچھ بھی احساس رکھتا ہے تو گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ اردو کو زندہ رکھنے کے لئے شمالی ہند کے صوبہ جات کو مجبور کرے اور ان صوبہ جات میں اردو کو ایک علاقائی زبان قرار دیا جائے ورنہ اس زبان کو ایک علاقائی زبان نہ قرار دیا جانا اور اردو کے حق میں صرف تقریریں کر لینا اردو کے لئے طفل تسلیاں ہیں جن کی نہ کوئی قدر ہے نہ قیمت۔ ہم چاہتے ہیں کہ پنڈت نہرو اردو زبان کو شمالی ہندوستان کے صوبہ جات میں زندہ رکھنے کے لئے موثر قدم اٹھائیں۔"

معاصر ریاست کے اس بے لاگ تبصرے کے بعد اب کسی مزید تبصرے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ورنہ کہنے کی باتیں تو بہت سی ہیں اور یہ بار بار کہی بھی جا رہی ہیں۔

معاصر ریاست نے پچھلے چند ہفتوں کے اندر کئی بار اپنے اداریے میں اردو زبان کے جائز حق کی بابت لکھا ہے اور یہ مطالبہ کیا ہے کہ اردو زبان کو زندہ رکھا جائے گا۔

خطبۂ صدارت

قاضی محمد عبدالغفار

جو مسلم یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین علی گڑھ کے کل ہند سالانہ مشاعرہ
۱۳؍دسمبر ۱۹۵۵ء میں پڑھا گیا۔

بھائیو!

پہلے اس سے کہ آج کے مشاعرے کی کارروائی شروع ہو میں اپنی محفل ادب کے کئی درخشاں ستاروں کا ماتم کرتا ہے خواجہ حسن نظامی، استاد بیخود دہلوی، علامہ کیفی، اقبال سہیل۔ اور ایسے ہی کئی ادب اور فن کے پروردگار ہماری دنیا سے اٹھ گئے اس کے ساتھ ہی ہمارے شعرا کی نئی نسل میں بھی جواں مرگی کا ایک سلسلہ جاری ہے۔ میراجی اور منٹو کے بعد اب حال ہی میں ہمارے ملک کے ممتاز شاعر اور محبوب ادیب اسرارالحق مجاز کی باری آگئی اور وہ ۵ دسمبر کو ہم سے رخصت ہو گئے۔ مگر اپنے بعد اپنی شاعری کے جواہر ریزوں کے علاوہ اپنی زندگی کے ان شدید کلفت و آلام کی یاد بھی ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ جنھوں نے عمر طبعی سے بہت پہلے ہمارے متعدد نوجوان ادیبوں کی زندگی کو ختم کر دیا ہے اور کرتے رہیں گے۔ اگر وہ معاشی حالات نہ بدلے جو ہمارے ابھرتے ہوئے نوجوانوں کی زندگی کو ایک عذاب بنا دیتے ہیں۔ مجاز ایک شاعر اور ادیب ہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنے مخصوص کردار کی وجہ سے بھی ایک دل چسپ شخصیت رکھتے تھے۔ ان کی خودداری کا یہ عالم تھا کہ اس حالت میں بھی جبکہ ان کی عمر کا بڑا حصہ انتہائی افلاس اور تنگ دستی کا مقابلہ کرتے گزرا انھوں نے اپنی شان استغنا کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ یہ گزشتہ سال ہی کا واقعہ ہے کہ اس بات کی کوشش کی گئی کہ حکومت ہند ان کے لئے کوئی امدادی وظیفہ مقرر کر دے۔ اور اس کوشش میں کامیابی کی پوری امید تھی۔ لیکن درخواست کا فارم دوستوں کے پاس پڑا رہا اور اس بندۂ خدا نے اتنی پروا بھی نہ کی کہ اس پر دستخط کر دیتا۔ وہ ہمیشہ دولت اور ثروت کی نمود و نمائش سے بے پروا رہے وہ اپنی اسی وضعداری کو نبھاتے ہوئے دنیا سے گزر گئے سطحی نظر سے مرحوم کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہ کہہ دینا تو بہت آسان ہے کہ شراب نوشی کی کثرت نے ان کی زندگی کو ختم کر دیا لیکن یہ بھی تو سوچئے کہ وہ کیوں اتنے بڑے شرابی بن گئے۔ وہ حالات کیا تھے جن کے درد و کرب نے انھیں میخانہ کی طرف ڈھکیلا اور وہ حالات نہ ہوتے تو مجاز کیا ہوتے۔ ایسے کم نظر نقادوں اور نکتہ چینوں سے میں تو شاعر کی زبان میں اتنا ہی کہوں گا کہ

زیر شاخ گل افعی گزیدہ بلبل را
نوا گران نخوردہ گزند راچہ خبر

مجھے یقین ہے کہ آج آپ سب میرے ساتھ ان کے لئے سوگوار ہیں۔

کسی نے کہا تھا کہ

شاعری جزویست از پیغمبری

یہ بات غلط بھی ہے اور صحیح بھی ہے۔ اس کا صحیح ہونا اور غلط ہونا منحصر ہے اس پر کہ ہم شاعری سے کیا کام لیتے ہیں۔ قدرت نے ہمیں انگور جیسا خوش ذائقہ پھل دیا مگر ہم نے اس کی شراب بنائی۔ قدرت نے ہماری زمین میں لوہا اور فولاد پیدا کیا مگر ہم نے ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کے لئے اس کی تلواریں بنائیں۔ جدید سائنس نے بڑی بڑی نعمتیں ہم کو دیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ایٹم بم بھی ہم کو مل گیا! میرا مطلب یہ ہے کہ اگر اچھی چیز برے طریقے سے استعمال کی جائے تو وہ بری ہو جاتی ہے اور بری چیز اگر اچھی نیت سے استعمال کی جائے تو اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ بھی ہوتا ہے۔ یہی حال آرٹ، ادب اور مختلف فنون کا ہے۔ جس طرح اس دور کے عظیم الشان انقلاب نے ہماری زندگی کی قدروں کو بدلا ہے۔ اسی طرح شاعری میں بھی ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا ہے جو اس بات کا نتیجہ ہے کہ ہمارے سوچنے اور دیکھنے کے زاویے بالکل بدل گئے۔ اس لئے ہمیں اپنی ادبی صحبتوں اور مشاعروں کا انداز بھی بدلنا پڑ رہا ہے۔ اسے بدقسمتی کہئے یا خوش قسمتی ہمارا ملک ابھی تک بہت قدامت پرست ہے ہم اس منزل پر ہیں جہاں رجعت پسندی اور ترقی پسندی کی ٹکر ہو رہی ہے۔ اور ابھی تک ان دونوں میں سے کسی کو یقینی فتح حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اس عبوری دور میں نئی نئی قدریں اور زندگی کی جدید قوتیں جب ہمارے سامنے آتی ہیں تو ہم میں سے اکثر اچھے اور برے کی تمیز ترک کر کے بہک جاتے ہیں اور اس کی ہزارہا مثالیں شعر اور

ادب کے حلقوں میں آج ہمارے سامنے ہیں ایسا اکثر ہوا ہے اور اب بھی ممکن ہے کہ مخالف حالات شاعری کو ملک کی تہذیب بڑھانے کا آلہ بنانے کے بجائے اس کو ہماری تہذیبی اور اخلاقی پستی کا سبب بنا دیں ہماری شاعری کی ماضی قریب میں یہ حقیقت بالکل عریاں ہے کہ سوسائٹی اور ماحول کی پستی کے ساتھ ساتھ ہماری شاعری کا معیار بھی گرتا چلا گیا۔ ادنیٰ قسم کا ہزل اور تمسخر اور ہجوگوئی سودا۔ انشا۔ مصحفی اور آخر میں لکھنؤ کے جان صاحب تک اسی حقیقت پر دلیل ہے کہ جس طرح سماج گرتی گئی اسی کے ساتھ قومی ادب اور شاعری بھی گرتی چلی گئی۔ بہرحال آرٹ کو زندگی کی عکاسی کرنا ہے اور اس کے آئینے میں زندگی کے ہر شعبے کی تصویریں کم و بیش صحیح نظر آتی ہیں گزرے ہوئے زمانے میں ہماری سماج کے رہنما اصحاب ثروت جاگیردار امراء۔ اور خود مختار حکمران ہوا کرتے تھے اور انھیں کی حالت کے مطابق ہمارے شعراء کا انداز فکر بھی بدلتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے ساتھ اپنے فن کو بھی بھانڈوں اور بازار کی عصمت فروشوں کی برابر پہنچا دیتے تھے۔ بادشاہوں اور امراء کی بخششیں ہمارے شعراء اور ادیبوں کے لئے اکثر سم قاتل ثابت ہوتی تھیں۔ اس نئے زمانے میں قدیم دربار اور دیوان خانے تو باقی نہیں رہے لیکن عوام کی معاشی اور اقتصادی حالت بد سے بدتر ہو گئی اور ساتھ ہی زمانہ اب دوسری قسم کے تصنعات میں مبتلا ہو گیا جو زیادہ تر جدید سیاست نے پیدا کیں۔ چنانچہ اب زندگی کے حقائق نے مصلحات اور سلوگن کے سہارے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ بتانا شروع کر دیا۔ یہ جادو ایسا چلا کہ ہماری زبان کے الفاظ، محاورات اور ترکیبیں بھی بدل گئیں۔ انھیں اصطلاحات میں ایک اصطلاح عوامی لٹریچر کی پیدا ہوئی اور ایک "اسلامی ادب" کے نام سے آج کل زیر بحث ہے جس کا سر اور پاؤں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ عوامی ادب بلاشبہ کوئی بے بنیاد اصطلاح نہیں ہے۔ لیکن جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں یہ وہی بات ہے کہ اچھی چیز کو برے طریقے سے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس حالت پر حالی کا وہ شعر صادق آتا ہے کہ

کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے
یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

میں آپ سے اس وقت بہت سی باتیں تو نہیں کر سکتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ عوامی ادب کے نام سے جو فتنہ پیدا ہو رہا ہے اسے روکئے۔ ورنہ اس افراط و تفریط میں حقیقی عوامی ادب پامال ہو کر رہ جائے گا۔ اس وقت حالت ایسی ہے کہ ہمارے نوجوان کی صفوں میں ہر جس کو دیکھئے عوامی شاعر ہے۔ یعنی وہ اپنی شاعری میں ملک اور عوام کی زندگی کے مسائل کو پیش کر رہا ہے۔ درانحالیکہ آج تک اس نے اپنے شہر کے بازاروں اور محلوں اور کافی ہاؤسوں سے باہر نکل کر اپنے ملک کا ایک چپہ بھی نہیں دیکھا۔ لیکن اپنے شعروں اور مضمونوں میں ملک کے کسانوں اور مزدوروں کے متعلق چند سنی سنائی باتیں لکھ کر وہ سمجھتا ہے کہ وہ عوامی شاعر یا ادیب بن گیا۔ موجودہ سماج کے متعلق وہ زہر میں بجھے ہوئے تیر چلاتا ہے لیکن اس سماج کی بنیادی خرابیوں سے یکسر ناواقف ہے

حالی نے اپنے مقدمۂ شعر و شاعری میں شعر گوئی کے مختلف پہلوؤں پر جو کچھ کہا ہے وہ آج زندگی کی قدریں بدل جانے کے بعد بڑی حد تک غلط ہو گیا ہے۔ حالی کے فرمودات ان کے زمانے کا کتنا ہی صحیح عکس پیش کرتے ہوں لیکن آج تو زندگی کے موجودہ نقشے میں ہم حالی یا شبلی کو عہد حاضر کی اجتماعی زندگی سے ناآشنا پاتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ دونوں شعر و ادب کے بہت بڑے محسن اور اپنے زمانے کی حد تک ترقی پسند ادیب تھے لیکن جس شاعری کی اس وقت ضرورت ہے وہ تو اقبال بھی نہ تھے۔ حالانکہ انھوں نے بلاشبہ اپنے زور کلام سے بہت سے مردوں کو جلایا اور بہت سے سونے والوں کو جگایا۔ پھر بھی زمانے کے تغیرات کی رفتار ان کی رفتار سے بہت زیادہ تیز تھی اور وہ دریا کے بہاؤ پر زیادہ دور تک نہ چل سکے۔ البتہ جو بیش بہا میراث انھوں نے نئی نسلوں کے لئے چھوڑی وہ ضرور ایسی ہے کہ ہماری زبان یعنی اردو زبان کی بنیادی روایتوں میں شامل کی جائے۔ لیکن ہمارے نوجوان شعراء میں کتنے ہیں جنھوں نے حالی اور اقبال کے ادب کا گہرا مطالعہ کیا ہو۔ یہ ضرور ہے کہ ہمارے بھائی اقبال کی تراکیب، طرز ادا اور شوکت الفاظ کا چربہ اتارنے کی بہت کوشش کرتے ہیں لیکن جب ان کو موجودہ عوامی مسائل کے قریب لاتے ہیں تو نہیں جانتے کہ کس طرح اقبال یا حالی کی قدروں کو اس بدلتی ہوئی دنیا کے حالات سے ہم آہنگ کریں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان بھائیوں کے ادب میں وہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے جس کے متعلق شاعر نے کہا تھا کہ

"موج معنی ہوئی گم بند ہو گئے الفاظ کے پل"

آپ برا نہ مانیں تو میں کہوں کہ شعراء اور ادیبوں کی نئی نسل میں حقیقی عوامی ادب کی بہت کمی ہے اور اس وقت دس پانچ سے زیادہ ایسے ادیب اور شعراء نہیں ہیں۔ جنھیں ہم صحیح طور پر عوامی کہہ سکیں۔ ہمارے مشاعروں کا جو تصور کار فرما ہے اسی کو دیکھ لیجئے تو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم حقائق کی سرحدوں سے ابھی تک بہت دور ہیں گو سمجھتے ہیں بہت قریب ہیں۔ دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے ادب

سے ہم اپنے ادب کا مقابلہ کریں تو بہ حیثیت مجموعی ہم بہت پیچھے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت دنیا کے کسی ملک میں شعرا کی تعداد اتنی نہیں جتنی ہندستان اور پاکستان میں اردو کے شعرا ہیں۔ پھر اگر ہمارے ادبی رسالوں پر نظر ڈالیے تو ہر اشاعت کے آدھے سے زیادہ اوراق دوسرے اور تیسرے درجہ کی غزلوں اور نظموں سے گرانبار نظر آئیں گے جبکہ برخلاف ساری دنیا کے ہمارے روزانہ اخباروں میں بھی شعر و شاعری کے چٹخارے ضرور ہوتے ہیں۔ ادب اور شعر کی یہ بدبختی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اب ہمارے بہت سے نوجوانوں کے لئے غزلیں یا نظمیں لکھ کر چھپوا دینا ترقی اور تخلیق کا ایک معیار بن گیا ہے حالانکہ جدید شاعری کے اس انبار میں جو کچھ بھی ہو مگر حقیقی ترقی اور تخلیق کی جھلک بہت کم نظر آتی ہے۔

مشاعروں میں بھی یہی کیفیت نظر آتی ہے کہ سننے والوں میں صحیح ادبی ذوق کا پتہ نہیں چلتا اور مشاعروں سے ان کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ ہمارے مشاعرے سطحی تفریح اور تفنن کا اور بعض اوقات بدمذاقی کے مظاہروں کا ذریعہ بن گئے۔ مشاعروں میں شریک ہونے والوں کی بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے۔ جو ان سے صرف وہ لذت نفس حاصل کرنا چاہتی ہے جو سینما یا تھیٹر میں چند گھنٹے گزار کر حاصل ہوتی ہے۔

اس زمانے میں جبکہ اردو زبان سخت مشکلات سے دوچار ہے۔ ان ادبی صحبتوں کا کوئی ایسا اثر پیدا نہیں ہوتا جو لوگوں کو اس زبان کی خدمت پر آمادہ کرے جس کی شاعری ان کے لئے فردوس گوش ہوتی ہے۔

شاعری کے قدیم دور میں جب زندگی کا ڈھنگ کچھ اور تھا ان اجتماعات میں کم از کم اتنا تو ہوتا تھا کہ زبان کی اصلاح اور زبان دانی کے معیاروں پر نظر رہتی تھی اور اس طرح زبان کے ذخیرے میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ لیکن اب تو اس طرف بھی نظر بہت کم جاتی ہے اور یہ اجتماعات اس حیثیت سے بھی بڑی حد تک بے نتیجہ ہو گئے ہیں۔ چند کے علاوہ خود ہمارے شعرا کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ وہ زندگی کی نئی قدروں کو تو اپنا نہ سکے اور اپنی قدیم قدروں سے بھی بیگانہ ہو گئے۔

میری گزارش یہ ہے کہ ہمارے مشاعروں کا ایک معیار ہونا چاہئے۔ بھرتی کے شعرا اور بدمذاق سننے والوں کے لئے ان مشاعروں کے دروازے بند کر دئے جائیں۔ اور ان صحبتوں کو اتنا شائستہ بنایا جائے کہ جب ہم یہاں آکر بیٹھیں تو اپنی زبان کے متعلق فکر و نظر کو وسیع کر سکیں اور محض رسماً اور تفریح کے طور پر ہر شعر اور ہر مصرعہ کی داد نہ دیں۔ نہ یہ کریں کہ جب شعرا کو ہم پسند نہ کرتے ہوں ان کی تذلیل کے پہلو ڈھونڈیں۔ اہل ذوق کو یہ سمجھ کر کہ یہ ایک علمی صحبت ہے۔ مشاعرے میں آنا چاہئے اور اس سے اپنے ذوق کی تسکین کے لئے کچھ حاصل کرنا چاہئے۔ ہماری اجتماعی زندگی کے دامن پر ایک بڑا دھبہ یہ بھی ہے کہ ان ادبی محفلوں میں اکثر بے ادبی اور بدمذاقی کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ گو کہ مجھ پر کوئی شخص رجعت پسند ہونے کی تہمت نہیں باندھ سکتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک آداب محفل کا تعلق ہے میں تو چاہتا ہوں کہ قدیم مشاعروں کی کچھ قدیم روایات قائم رہیں اور ہمارے مشاعروں کا مقام ذرا بلند ہو جائے۔

ایک بات مجھے اس زمانے کے نوجوان شعرا سے بھی کہنی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر شخص جو دو متوازن مصرعے لکھ سکتا ہو شاعر نہیں ہو سکتا۔ بے اختیارانہ وجدان فطرت کا ایک عطیہ ہے اور اس کے بغیر شعر گوئی کی گل کاریاں کاغذ کے پھول بن جاتے ہیں جن میں رنگ ہوتا ہے لیکن خوشبو نہیں ہوتی۔ ہمارے نوجوان شعرا کو حقیقت بھی ذہن نشین کرنی چاہئے کہ عوام کی خارجی اور داخلی زندگی سے پوری طرح شخصی اتصال پیدا کئے بغیر وہ عوامی شاعر نہیں ہو سکتے اور ان کو عوام تک اپنا پیام پہنچانے کے لئے اپنی زبان کو آسان اور زیادہ قابل فہم بنانا چاہئے۔ اردو زبان کا ایک ہی شاعر ایسا گزرا ہے یعنی نظیر اکبر آبادی جس نے یہ دونوں کام کئے۔ لیکن اس کا زمانہ بھی جاگیرداری کا آخری دور تھا اور اجتماعی زندگی کے وہ مسائل نمایاں نہ ہوئے تھے جو آج ہمارے سامنے ہیں۔ اس لئے نظیر کے فکر و نظر کا دائرہ بہت محدود تھا اور وہ اس زمانے کے عوام کی سماجی زندگی کے چند ہی گوشوں تک پہنچ سکا۔

میری آنکھوں نے بار بار یہ تکلیف دہ مناظر دیکھے ہیں کہ جب مشاعرے کی محفلوں میں بدمذاقی کے مظاہرے ہوتے ہیں تو ہمارے شعرا ان کے خلاف احتجاج کرنے کے بجائے خاموشی سے انھیں گوارا کر لیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کر سکتے کہ ان مظاہروں کو اپنے فن اور آرٹ کی توہین قرار دے کر محفل سے اٹھ جائیں۔

قاضی صاحب موصوف اچانک دورۂ قلب کی وجہ سے شریک مشاعرہ نہ ہو سکے اس لئے ان کا مطبوعہ خطبہ خیر بہوروی صاحب نائب معتمد انجمن ترقی اردو ہند نے پڑھ کر سنایا۔

ملک میں اردو کو ایک خاص مقام حاصل ہے

وزیر اعظم مسٹر نہرو کی تقریر

۱۰؍دسمبر کو وزیر اعظم مسٹر نہرو نے "اردو ہال" حیدر آباد کا افتتاح کیا، جس کو حیدر آباد کی انجمن ترقی اردو نے تعمیر کیا ہے۔ اور فرمایا۔

ملک میں اردو کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اردو ہندوستان کے لئے ایک قیمتی ورثہ ہے۔ اردو جس قدر ترقی کرے گی اسی قدر ملک اور دوسری زبانوں کو فائدہ ہوگا۔ اردو ایک ہندوستانی زبان ہے اور اس کا وجود سنسکرت سے عمل میں آیا بعد میں فارسی، عربی اور انگریزی کا اس پر اثر پڑا۔ یہ کہنا کہ اردو ایک غیر ملکی یا مسلمانوں کی زبان ہے کوئی معنی نہیں رکھتا

وزیر اعظم نے اردو بولنے والوں سے کہا کہ وہ اس زبان کے خلاف دشمنانہ نظریہ کو فروغ نہ دیں، کیونکہ اس کے معنی تہذیبی ایمانی اور تنگ نظری کے ہوتے ہیں۔ وزیر اعظم نے جو خود بھی اس وقت اردو ہی میں تقریر کر رہے تھے کہا کہ اس وقت ملک کے اندر ریاستی کمیشن کی رپورٹ سے گرما گرم بحثیں جاری ہیں، جن کا تعلق زبانوں ہی سے ہے۔ زبان کا سوال ایک ایسا سوال ہے کہ عوام کی روزمرہ کی زندگی پر اس کا اثر پڑتا ہے، اس لئے حکومت کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ ملک کی تمام زبانوں کو مساوی ترقی اور عوام کو ان کی مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے مواقع حاصل ہیں یا نہیں اور یہی ہماری حکومت کی پالیسی ہے۔

ہماری چودہ قومی زبانیں ہیں، جن کی فہرست ہمارے آئین میں شامل ہے۔ ان میں اردو بھی شامل ہے۔ ہندی ان میں شامل نہیں ہے کیونکہ اس کو ایک خاص درجہ دیا گیا ہے۔ بہتر ہوگا اگر انگریزی کو بھی اس فہرست میں شامل کر لیا جائے۔ ہمیں کسی زبان پر روک نہیں لگانی چاہئے عوام کو کسی زبان کے پڑھنے کی آزادی ہونی چاہئے۔

۶۰ سالہ تنازعہ

گزشتہ ۶۰ برس سے اردو اور ہندی کے درمیان تنازعہ جاری ہے۔ ساٹھ سال پیشتر میرے اس صوبے میں ہندی کو کوئی درجہ حاصل نہیں تھا۔ اس لئے مطالبہ کیا جاتا تھا کہ ہندی کو اس کا جائز مقام دیا جائے۔ لیکن اس تحریک نے اردو اور ہندی کے درمیان مقابلہ کی شکل اختیار کر لی۔ یہ ایک غلطی تھی کہ جس سے اردو اور ہندی کے کاز کو نقصان پہنچا۔

اردو اور ہندی کے مابین بہت تھوڑا فرق ہے۔ وہ ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں۔ ان میں سے ایک کی ترقی کا دوسری پر خاطر خواہ اثر ہوگا۔ اردو اور ہندی کے درمیان ایک خاص تعلق ہے اور یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ اس کی مخالفت کی جا رہی ہے۔

اردو ہندی کی دشمن نہیں ہے بلکہ اس کی ترقی اور اس کی امداد کا ایک ذریعہ ہے۔ ہندی میں اردو کے ۹۵ فیصدی الفاظ ہیں۔ ہندی کو سرکاری زبان بنانے کا فیصلہ اس بنیاد پر کیا گیا ہے کہ اس کو تمام لوگ سمجھتے ہیں۔ مزید برآں اردو تلنگانہ مرہٹھ واڑہ اور کرناٹک کے علاقوں پر مشتمل حیدر آباد اسٹیٹ کے لئے ایک غیر ملکی زبان تھی۔ بدلے ہوئے حالات میں خود کو اب بے گھر پاتی ہے۔ تاہم کوئی وجہ نہیں کہ لوگ اردو جاننا جاری نہ رکھیں۔

حکومت کی پالیسی

حکومت کی پالیسی طے ہو چکی ہے۔ بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دلائی جائے۔ مثال کے طور پر بمبئی کے میونسپل اسکولوں میں چودہ زبانیں ذریعہ تعلیم ہیں۔

پنجاب کا ذکر

پنجاب میں ایک اور اختلاف ہوا۔ وہاں پر لوگ عام طور پر پنجابی بولتے ہیں، پنجابی اردو اور ہندی میں کوئی زیادہ فرق نہیں۔ لیکن رسم الخط کے سوال پر جھگڑا ہے اور اس میں مذہبی احساس کو بھی دخل ہے۔ لیکن یہ جھگڑا اردو زبان میں اور اردو اخبارات کے ذریعے جاری ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ جھگڑا بے وقت ہے۔ زبانوں کو محدود نہیں کرنا چاہئے انھیں پھلنے پھولنے کی آزادی ہونی چاہئے۔ ورنہ ان کی نشو و نما نہیں ہو سکے گی۔

انگریزی

آزادی کے بعد ہندوستانی زبانوں نے خاص ترقی کی ہے لیکن ہمیں انگریزی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہم خود کو نقصان پہنچائیں گے۔ اردو اور ہندی میں جھگڑے کے کوئی معنی نہیں۔ اردو ایک ہندوستانی زبان ہے اور دلی، لکھنؤ اور حیدر آباد میں اس نے نشو و نما پائی اور اردو میں دوسری زبانوں کے ساتھ مل کر ترقی کرنے کی صلاحیت ہے۔

حیدر آباد میں اردو کو مصنوعی پوزیشن حاصل ہے۔ یہ اوپر سے لادی گئی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ حیدر آباد میں اردو کا رتبہ کم کر دیا جائے۔ مجھے افسوس ہوگا اگر اس قسم کی بات ہوئی۔ میں چاہتا ہوں کہ اردو اور دوسری علاقائی زبانوں

اردو کی خبریں

کرنول

دسمبر کے آخری ہفتے میں اسلامیہ عربی کالج کرنول کا جشن الماسی منایا جائے گا جس کے پروگرام میں "کل ہند طبی کانفرنس کے ساتھ ادبی اجلاس اور مشاعرہ بھی شامل ہے۔ طبی کانفرنس میں علمی اور تحقیقی مقالے پڑھے جائیں گے جن کے لئے حسب ذیل عنوانات مقرر کئے گئے ہیں۔

(۱) طب یونانی کا تقابلی مطالعہ

(۲) طب یونانی پر علمی و فنی مقالہ

اس کے علاوہ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب کی خدمات کے اعتراف میں ایک انعامی مقابلہ بھی رکھا گیا ہے۔ یہ مقابلہ مقالہ نگاری میں ہوگا جس کے لئے "اردو زبان میں طب یونانی کا ذخیرہ" عنوان تجویز ہوا ہے۔ اس عنوان پر جن صاحب کا مقالہ سب سے بہتر ہوگا انھیں مبلغ ۵۰۰ روپیہ بطور انعام پیش کئے جائیں گے۔ تصفیہ کے لئے بطور جج چند حضرات مقرر کئے جائیں گے۔ اگر ایک سے زیادہ مقالے مستحق انعام قرار پائے تو انعام تقسیم کر دیا جائے گا اس امر کا خاص طور پر خیال رہے کہ مقالہ تحقیقی اور معیاری ہو۔

امروہہ

ادب نواز حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ مقامی انجمن ترقی اردو نے اپنی دیرینہ تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مدارس میں طلبا کے تحریری مقابلے کا اور دسمبر ۱۹۵۵ء میں تقریری مقابلہ (ڈبیٹ) کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے اور یہ امر مزید موجب انبساط ہے کہ ان مقابلوں کے انعامات کی تقسیم کے جلسے کی صدارت کے لئے ہمارے ملک کے وزیر خارجہ عالی جناب ڈاکٹر سید محمود صاحب بالقابہ کی تشریف آوری بھی متوقع ہے ڈاکٹر صاحب موصوف کے علاوہ اس اجتماع میں اردو کے نامور ادیب اور مرکزی انجمن کے جنرل سکریٹری عالی جناب قاضی محمد عبد الغفار صاحب اور محترمہ سلطانہ حیات جوائنٹ سکریٹری اتر پردیش ریاستی انجمن ترقی اردو سے بھی شرکت کی استدعا کی گئی ہے۔ امروہہ کے علم دوست حضرات سے جلسہ میں شرکت کی اور مقامی مدارس کے جملہ طلباء سے مقابلوں میں حصہ لینے اور انجمن کے پروگرام انجمن کی شاندار روایات کے مطابق کامیاب بنانے کی درخواست ہے۔

تحریری مقابلوں کے عنوانات

پرائمری جماعتوں کے لئے	کوئی دلچسپ کہانی	کاپی سائز کے دو صفحے
مڈل جماعتوں کے لئے	ہمارا شہر	فل اسکیپ سائز کے دو صفحے
ہائی اسکول منشی، مولوی اور ادیب کے لئے	اگر میں لیڈر ہوتا . . .	تین صفحے
۱۱، ۱۲ جماعتوں اور درجات عالم اور ادیب ماہر کے لئے	میرا پسندیدہ شاعر یا ادیب . . .	۷ صفحے
بی۔ اے۔ کامل۔ فاضل، ادیب کامل اور قابل کلاس کیلئے	جدید شاعری پر میری تحقیق . . .	صفحے

تحریری مقابلوں میں شریک ہونے والے جملہ مضامین کی ایک کاپی ۲۰ دسمبر ۱۹۵۵ء تک سکریٹری انجمن کے پاس پہنچ جانی ضروری ہے۔ آخر دسمبر میں تقریری مقابلہ (ڈبیٹ) ہوگا جس کا عنوان ہے۔

"ہندوستان کو کمیونسٹ بلاک میں شامل ہو جانا چاہئے"

تقریری مقابلہ کے ہی اجتماع میں تحریری مقابلوں کے انعامات بھی تقسیم ہوں گے تاریخ کا انتظار فرمایئے۔

جون پور

اواخر دسمبر ۱۹۵۵ء میں جونپور میں یوم شفیق منایا جا رہا ہے جس میں ہندوستان کے مشاہیر شعراء، ادباء، ناقدین اور اہل علم کی تشریف آوری متوقع ہے۔ یوم شفیق کے حسب ذیل خصوصی پروگرام ہوں گے۔

(۱) جناب شفیق کی شاعری پر تقریریں اور مقالے

(۲) شفیق صاحب کی لکھی ہوئی منتخب غزلیں و نظمیں نیز شفیق صاحب سے متعلق دوسرے شعراء کرام کی نظمیں۔

(۳) کل ہند مشاعرہ اور کوئی سیشن

کوئی صاحب شفیق صاحب کی شاعری پر مقالہ یا نظم تحریر فرمائیں تو اس کی ایک نقل براہ راست روانہ فرمائیں تاکہ اس کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔ قیام و طعام اور دیگر امور کی ذمہ داری مجلس استقبالیہ پر ہوگی۔

کان پور

۱۵؍ نومبر کی شب کو انجمن ترقی اردو کان پور کی جانب سے انجمن کے صدر جناب پری پورنا نند ورما ایم۔ ایل۔ اے کے اعزاز میں محمد احمد رضوی صاحب پرنسپل حلیم کالج کان پور کے دولت کدہ پر ایک شاندار ڈنر دیا گیا جس میں اراکین انجمن و ہمدردان اردو نے ایک بڑی تعداد میں شرکت کی

صدر موصوف نے آئندہ ماہ میں ایک اردو کانفرنس

اور آل انڈیا مشاعرہ کے انعقاد کی تجویز حاضرین کے سامنے پیش کرتے ہوئے تعاون و امداد کی اپیل کی اور فرمایا کہ محبان اردو کو اردو کی خدمت انہماک سے کرنا ضروری ہے۔ موصوف نے اس پر زور دیا کہ اردو کا مستقبل روشن ہے اور اس کو اس کا صحیح مقام انشا اللہ مل کر رہے گا۔

بعد ازاں ڈاکٹر جواہر لال رہتگی کی صدارت میں ایک مختصر نشست ہوئی۔ اور علاوہ دیگر شعرا کے ڈاکٹر بنرجی، نشور واحدی بلیاوی اور ثاقب کان پوری نے اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ کیا۔

نوگاؤں سادات

شاخ نوگاؤں سادات کا ماہانہ علمی ادبی اجتماع عملدار علی صاحب مرحوم ڈپٹی کمشنر کے مکان پر منعقد ہوا۔ اور انجمن کی قدیم روایات کے مطابق طرحی مشاعرہ بھی ہوا۔ انجمن کے گزشتہ ادبی اجتماع کی کارروائی مصدق ہونے پر کارروائی جلسہ شروع کی گئی۔ طرحیں حسب ذیل تھیں۔

(۱) زلف بکھرے تو شام ہو جائے۔

(۲) یہ رنگینی شام تمہید سحر ہے

(۳) بگولہ جو بھی اٹھا ہم غبار کارواں سمجھے

ان طرحوں پر نوجوان شعرا کے علاوہ بستی کے کہنہ مشق حضرات نے بھی طبع آزمائی ہے۔

بہرائچ

ابھی تھوڑا عرصہ گزرا کہ جونیر ہائی اسکول میں دو اختیاری مضامین کی اجازت بذریعہ گورنمنٹ گزٹ دے دی گئی تھی لیکن نہایت تعجب کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ ضلع بہرائچ کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ دفتر ڈسٹرکٹ بورڈ سے ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو ضلع کے جونیر ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹروں کے نام ایک سرکلر جاری ہوا ہے جس میں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ آف ایجوکیشن الہ آباد کی گشتی مجاریہ ۱۲ر ستمبر ۱۹۵۵ء کے حوالہ سے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ۔

"چھٹا درجہ، چھ سات میں کیول (صرف) ایک ہی اچھک بشے (اختیاری مضمون) کی سکچھا (تعلیم) دی جاوے گی"

چنانچہ اس کا بورڈ کے جملہ جونیر ہائی اسکولوں میں عمل درآمد بھی ہو چکا ہے۔ اول تو دو اختیاری مضامین کے ماتحت جملہ جونیر اسکولوں میں سنسکرت کو لازمی قرار دے دیا گیا ہے اور اردو کا کہیں وجود نہیں تھا۔ پھر بھی اردو کے لئے راستہ کھلا ہوا تھا۔ اور اب اس سرکلر کے ذریعے اس راستے کو بھی باقی نہیں رکھا گیا۔

آندھرا

محمد غالب صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ ۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ آندھرا گورنمنٹ نے آل آندھرا اردو مجلس کا یہ دیرینہ مطالبہ کہ گنٹور میں دوبارہ اردو اساتذہ کے لئے ٹریننگ مرکز جاری کیا جائے تسلیم کر لیا ہے۔ اردو مجلس کو آندھرا گورنمنٹ کا ایک مراسلہ ملا ہے جس میں یہ یقین دلایا گیا ہے کہ آئندہ تعلیمی سال سے اردو اساتذہ کی ٹریننگ کلاسیں گورنمنٹ مسلم ہائی اسکول گنٹور میں کھول دی جائیں گی۔

یاد رہے کہ حال میں آل آندھرا اردو مجلس نے مولانا ابوالکلام آزاد وزیر تعلیم مرکزی حکومت کی وساطت سے چیف منسٹر آندھرا کی خدمت میں صوبے کے مسلمانوں کا مذکورہ جائزہ مطالبہ پیش کیا گیا۔

لار

بزم ادب قصبہ لار ضلع دیوریا کی طرف سے ایک دینی اجلاس اور مشاعرہ ۱۸ر دسمبر کو ہوگا جس میں اردو زبان کے اہم مسائل پر غور و خوض کیا جائے گا

اجلاس کے ساتھ ایک مشاعرہ بھی ہوگا جس میں مشاہیر شعرا شرکت فرمائیں گے۔ قصبہ لار اور اس کے قرب و جوار کے حامیان اردو اجلاس اور مشاعرے کو کامیاب بنانے کی سعی کر رہے ہیں۔

(نامہ نگار)

لکھنؤ

طلبا کے اردو کنونشن نے آج یہاں ایک قرارداد کے ذریعے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اردو کو علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ اردو کے تحفظ کی ضمانت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اسے ملک کی دوسری زبانوں کی طرح علاقائی حیثیت حاصل ہو"

کنونشن نے دوسری قرارداد کے ذریعے حکومت یوپی سے مطالبہ کیا کہ پرائمری جونیر اور ثانوی درجوں میں ان طلبا کے لئے جن کی مادری زبان اردو ہے۔ اردو میں تعلیم کا مناسب انتظام کیا جائے۔

کنونشن نے ایک قرارداد کے ذریعہ لکھنؤ یونیورسٹی میں اردو کی موجودہ حیثیت پر اظہار تشویش کرتے ہوئے یونیورسٹی کے ذمہ داروں سے درخواست کی کہ اردو کا ایک الگ شعبہ قائم کیا جائے تاکہ اس کی اہمیت نمایاں ہو اور اردو کو الگ ایک موضوع کی حیثیت سے ترقی کرنے کا موقع ملے۔

کنونشن نے پرائمری تعلیم کے سلسلے میں ایک قرارداد میں کہا کہ ریاستی حکومت نے بنیادی تعلیم کے سلسلے میں پرائمری اسکولوں کے لئے جو احکامات جاری کئے تھے ان پر مکمل عمل درآمد نہیں ہو رہا ہے لہذا یہ کنونشن حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ ان احکامات

پوری طرح عمل درآمد کرایا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کنونشن اردو کے تمام ہمدردوں اور خاص کر طلبا سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ ان احکامات پر عمل درآمد کرانے کی کوشش کریں۔

قرارداد میں کہا گیا "یہ کنونشن حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس بات کو دستور ہند میں شامل کیا جائے کہ ابتدائی تعلیم مادری زبان میں ہونا چاہئے۔ جیسی کہ ریاستی تنظیمی کمیشن نے بھی سفارش کی ہے۔"

جونیر تعلیم کے سلسلے میں کنونشن نے ایک قرارداد میں حکومت سے درخواست کی کہ اتر پردیش کے اسکولوں کے چھٹے ساتویں اور آٹھویں درجوں میں طلبا کی مادری زبان اردو ہے۔ ان کے لئے مادری زبان میں تعلیم کا مناسب بندوبست کیا جائے اور ان درجوں کی نصاب کی کتابوں کی اردو میں اشاعت کا بھی مناسب انتظام ہو۔

قرارداد میں کہا گیا کہ جونیر درجوں میں اردو کو بھی بہ حیثیت مضمون کے شامل کیا جانا چاہئے۔

ثانوی تعلیم کے متعلق کنونشن نے ایک قرارداد میں ان طلبا کے لئے ثانوی درجوں میں اردو میں تعلیم کی سہولتوں کا مطالبہ کیا جن کی مادری زبان اردو ہے قرارداد میں کہا گیا کہ ہائی اسکول اور انٹر کے امتحانات میں طالب علموں کو اردو میں پرچے حل کرنے کا اختیار اسی طرح دیا جائے جس طرح ان کو انگریزی کے پرچے میں ترجمہ کرنے کے لئے اردو میں مہارت حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے۔

کنونشن نے یوپی بورڈ سے مطالبہ کیا کہ بورڈ کے امتحانات میں دیوناگری رسم الخط میں آنے والے پرچوں میں عام فہم زبان کا استعمال کیا جائے تاکہ وہ طلبا جن کی مادری زبان ہندی نہیں ہے ان پرچوں کو آسانی سے سمجھ سکیں اور حل کر سکیں۔

کنونشن نے ثانوی درجوں کے نصاب کی کتابوں کی اردو میں اشاعت کے مناسب انتظام پر بھی زور دیا۔

پٹنہ

۔۔ دسمبر بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس عاملہ کا ایک غیر معمولی جلسہ زیر صدارت جناب پروفیسر حافظ شمس الدین صاحب کل ۶ بجے شام کو انجمن اسٹڈیز ہال میں منعقد ہوا جناب عبدالقیوم انصاری صاحب وزیر تعمیرات بہار و جناب شاہ مشتاق احمد ایم۔ ایل۔ اے و جناب عبدالاحد محمد نور صاحب ڈپٹی منسٹر بہار، جناب لیسین انصاری صاحب سابق ایم۔ ایل۔ اے وغیرہ حضرات جلسے میں شریک تھے جناب بیتاب صدیقی جنرل سکریٹری انجمن مذکور نے جلسہ کی غرض و غایت بیان کی۔ حسب ذیل تجویزیں متفقہ طور پر منظور ہوئیں۔

مجلس عاملہ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو جناب علامہ پنڈت برجا موہن دتاتریہ کیفی کی وفات پر اپنے گہرے رنج و اندوہ کا اظہار کرتا ہے اور اردو زبان و ادب کے لئے ان کی موت کو ایک زبردست المیہ اور ناقابل تلافی حادثہ تصور کرتا ہے جن کی موت سے اردو زبان ایک زبردست محسن اور سرپرست کی مخلصانہ اور پرجوش خدمات سے محروم ہو گئی، مرحوم باشی موصوف ۹۰ سال کی عمر ہی میں اردو کے تحفظ و بقا اور اس کی نشر و اشاعت کے کاموں سے عملی دلچسپی لیتے رہے یہ جلسہ ان کی تمام خدمات جلیلہ کو بہ نظر استحسان دیکھتا ہے اور ان کے پسماندگان کے ساتھ اپنی پوری ہمدردی کا اظہار کرتا ہے نیز مرکزی انجمن کے نائب معتمد جناب ہیوروڈی صاحب کی اس تجویز کی تائید کرتا ہے کہ اردو کے محسن دیرینہ علامہ کیفی موصوف کی یادگار میں "کیفی اکاڈمی" قائم کی جائے اور ان کی مکمل سوانح حیات مرکزی انجمن شائع کرے۔

مجلس عاملہ کا یہ جلسہ جناب مجنوں رضوی و جناب چراغ حسن حسرت و جناب پروفیسر اقبال سہیل و تپاں لکھنوی کی رحلت پر بھی انتہائی غم و الم کا اظہار کرتے ہوئے ان کی وفات کو بھی اردو زبان کے لئے زبردست حادثہ اور غیر معمولی نقصان سمجھتا ہے اور ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے ان کے تمام پسماندگان کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ ان تمام مرحومین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

دوسری تجویز میں مجلس عاملہ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے مسٹر بی جی کھیر چیرمین "آفیشیل لنگویج کمیشن" (سرکاری زبان کمیشن) کے حالیہ بیان پر زبردست بیزاری کا اظہار کیا اور اس کی مذمت کی چیرمین مذکور نے اپنے بیان میں اردو زبان کے خلاف بے بنیاد غلط اور معاندانہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ایک اور تجویز منظور کی گئی جس میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی ممبر سازی کی آخری تاریخ ۱۰ دسمبر ۱۹۵۵ء تک بڑھائی گئی اور ممبر سازی کی مہم میں حصہ لینے والے کارکنوں نیز ممبران کونسل ریاستی انجمن ترقی اردو و دیگر ہمدردان اردو سے اپیل کی گئی کہ وہ اس مہم کو کامیاب بنانے میں سرگرمی دکھلائیں۔ اور بہار کے گوشے گوشے میں اور گھر گھر میں اردو کا پیغام پہنچائیں۔

حیدرآباد

حیدرآباد ۔ نومبر۔ ڈاکٹر بی رام کرشنا راؤ چیف منسٹر حیدرآباد نے کہا کہ اردو کی ترقی میں ہر شخص کو سرگرم حصہ لینا چاہئے اور اردو ریاست [illegible] کو سنگ بنیاد رکھتے ہوئے ریاستی چیف منسٹر

نے یقین دلایا کہ ریاستی حکومت بھی اردو کی ترقی میں اپنا حصہ ادا کریگی

حیدرآباد چیف منسٹر نے ادارہ ادبیات اردو کے کام کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ مشکلات کے باوجود ادارہ نے اردو کے لئے بہت اچھا کام کیا ہے۔

ڈاکٹر راؤ نے جو سات زبانوں کے عالم ہیں کہا کہ دو صدیوں سے حیدرآباد کو اردو کی سرپرستی کا اعزاز حاصل ہے جس کے باعث دہلی کے بعد حیدرآباد اردو کا مرکز بن گیا۔ جامعہ عثمانیہ میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لئے سرا کبر حیدری مرحوم نے جو تجربہ کیا وہ اردو کی ترقی کے لئے بڑا زینہ تھا۔

چیف منسٹر نے کہا کہ اس سرزمین میں رہنے والے ہر شخص کو اردو کی ترقی میں سرگرم حصہ لینا چاہئے۔

اردو ہال کا افتتاح وزیر اعظم ہند پنڈت نہرو نے کیے جو ۱۲ دسمبر کو حیدرآباد تشریف لے گئے۔

اردو ہال حیدرآباد کی ادبی عظمت اور لسانی ارتقاء کی ایک تاریخی یادگار ہے جس کو پرستاران اردو نے انتہائی ناساعد حالات میں تعمیر کیا ہے۔

ایک ایسے وقت جبکہ ہندوستان کی لسانی تنظیم نو میں اردو زبان کی یہ نس سنی گئی ہے۔ ہندوستان کے قائد پنڈت نہرو کے ہاتھوں اردو ہال کا افتتاح نہ صرف ایک تاریخی اہمیت کا حامل ہے بلکہ اردو کی بقا اور اس کے مستقبل کا تعلق ہے غور کرنے والوں کے لئے محل فکر و تنظر ہے۔

حیدرآباد ۔ ۱۵؍ نومبر نواب ہوش یار جنگ نے آج ۱۲ بجے صبح بیمارئ قلب اپنی قیامگاہ میں انتقال کیا کچھ عرصے سے وہ علیل تھے کل رات ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔

کرنل کے این واگھرے اور دوسرے ڈاکٹروں نے نواب صاحب کو طبی امداد بہم پہنچائی لیکن بالآخر صبح میں انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا قطب شاہی قبرستان قطبی گوڑہ میں نعش سپرد خاک کی گئی۔

مرحوم کی عمر ۸۳ سال تھی، ان کے پسماندگان میں ۲ لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں۔ نواب صاحب جن کا نام مسٹر ناظر الحسن تھا سادات بلگرامی سے تعلق رکھتے تھے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں وہ حیدرآباد آئے مرحوم ایک اچھے ادیب اور انشا پرداز تھے۔ سر مرزا اسمٰعیل کی صدارت عظمیٰ کے دور میں مرحوم معتمد محکمہ تعمیرات تھے۔

احمد آباد

سید جلال الدین صاحب قادری سکریٹری انجمن ترقی اردو احمد آباد تحریر فرماتے ہیں کہ

انجمن ترقی اردو احمد آباد کی مجلس منتظمہ کے جلسے میں ذیل کی تجویز منظور کی گئی۔

انجمن ترقی اردو احمد آباد کی مجلس منتظمہ کا یہ جلسہ مرکزی انجمن کے نائب معتمد خیر بہوردی صاحب کے اس تجویز کی تائید کرتا ہے کہ اردو کے محسن دیرینہ علامہ پنڈت دتاتریہ کیفی صاحب کی یادگار میں "کیفی اکاڈمی" قائم کی جائے۔ اور ان کی مکمل سوانح حیات مرکزی انجمن شائع کرے۔

علی گڑھ

مسلم یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کا سالانہ مشاعرہ ۱۳ دسمبر کی شب میں منعقد ہوا۔ صدر منتخب مشہور ادیب قاضی محمد عبدالغفار صاحب اچانک دورۂ قلب کی وجہ سے شریک مشاعرہ نہ ہو سکے اس لئے ان کے فرائض آل احمد صاحب سرور نے دیئے۔ رقا صاحب کا مطبوعہ خطبۂ صدارت خیر بہوردی صاحب نائب معتمد انجمن ترقی اردو ہند نے پڑھ کر سنایا۔

گانے والے شعرا کی تعداد زیادہ تھی اور ادیبوں کی بھی کمی نہیں تھی جو ایک شعر صحیح نہیں کہہ سکتے۔ مگر باوجود اس کے ہر سال مشاعرہ شروع ہونے سے کئی گھنٹے پہلے مشاعرہ گاہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور مشاعرے کا اعلان ہوتے ہی بانیان مشاعرہ کے درگت بھی سامعین شروع کر دیتے ہیں۔ مشاعرے کی مکمل روئداد پھر پیش کروں گا۔

(نامہ نگار)

کرنول

عثمانیہ کالج کرنول (آندھرا) کی ڈائمنڈ جوبلی کے سلسلے میں ۲۴ دسمبر کو ایک اردو مجلس اور مشاعرہ ہوگا جس میں شاہزادہ برخوردار شرکت فرمائیں گے۔

ہز ہولی نس سردار سیدنا طاہر سیف الدین صاحب ۲۴ دسمبر کو کرنول پہونچ جائیں گے اور جوبلی کا پروگرام شروع ہوگا۔ ۲۷، ۲۸ دسمبر کو آل انڈیا طبی کانفرنس اور مرکزی تعلیمی بورڈ کے اہم اجلاس ہوں گے۔

امید کی جاتی ہے کہ یہ اجتماعات اپنے نتائج کے لحاظ سے بہت ہی اہم اور مفید ہوں گے۔

(نامہ نگار)

پرنٹر پبلشر قاضی عبدالغفار نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا